قیامِ امن اور بین المذاہب مکالمہ
اسلامی تناظر میں

ڈاکٹر قمر الہدیٰ

International Research Council
for Religious Affairs (IRCRA)

انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور

اسلام آباد، پاکستان

نام کتاب: قیامِ امن اور بین المذاہب مکالمہ: اسلامی تناظر میں

مصنف: ڈاکٹر قمر الہدیٰ

اہتمام و ترتیب: محمد اسرار مدنی

مترجم: شفیق منصور

ناشر: انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور

برائے رابطہ: 0311-0299995

ڈاکٹر قمرالہدیٰ

ڈاکٹر قمرالہدیٰ تحقیق و امن کاری کے اُمور میں عالم اسلام کا ایک بہت بڑا نام ہیں اور اپنے شعبے میں ایک سند کے طور پہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کا شمار مسلم دنیا کی پانچ سو بااثر شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ دنیا کے کئی بڑے حکومتی و نجی اداروں کے ساتھ کلیدی عہدوں پر کام کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب واشنگٹن میں واقع 'دی اٹلانٹک کونسل' میں سینئر ممبر اور جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سے قبل انہوں نے سینٹر فار گلوبل پالیسی (CGP) کی بنیاد رکھی تھی جو کہ ایک غیر جانبدار امریکی تھنک ٹینک ہے، ڈاکٹر قمرالہدیٰ اس کے نائب صدر تھے۔ انہوں نے اس ادارے میں سکیورٹی اور پر تشدد انتہا پسندی کے تجزیے کا پروگرام شروع کیا جس کی تحقیقی سرگرمیوں کی آپ سرپرستی کرتے تھے، اور ان کا امریکی پالیسی سازوں اور محققین کے ساتھ ان معاملات میں بات چیت کے لیے اہم کردار تھا۔

اس کے علاوہ آپ نے امریکا کے مختلف تھنک ٹینکس اور تحقیقاتی اداروں میں کام کیا ہے۔ وہ امن کاری، بین المذاہب ہم آہنگی، حلِ تنازعات، تصوف، تقابلی اخلاقیات، تشدد کی لسانیات سمیت درجنوں موضوعات پر کئی تحقیقی مقالات، مضامین اور کتب لکھ چکے ہیں۔

محمد اسرار مدنی

محمد اسرار مدنی ‘انٹر نیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور’ کے بانی سربراہ ہیں ۔ پچھلے کئی سالوں سے پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وقتاً فوقتاً مختلف سماجی ومذہبی مسائل پر مکالماتی وتربیتی ورکشاپس کا انعقاد کراتے ہیں۔ان کی زیر نگرانی پاکستان میں بین المذاہب ہم آہنگی، جمہوریت اور انسانی حقوق کی صورتحال پر متعدد اہم رپورٹس وکتب شائع ہو چکی ہیں۔ سالنامہ ‘تحقیقات’ کے مدیر اعلیٰ اور کتاب ‘اسلام اور جمہوریت: ایک متبادل بیانیہ’ کے مصنف بھی ہیں۔

شفیق منصور

مترجم شفیق منصور مذہبی سکالر ہیں اور ‘انٹر نیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور’ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ سالنامہ تحقیقات کے مدیر ہیں۔ مذہبی سیاست وسماجی مسائل پر لکھتے رہتے ہیں۔

پیش لفظ

ڈاکٹر قمر الہدیٰ معروف دانشور، تربیت کار، پالیسی ساز اور مصنف ہیں۔ انہوں نے امن، حلِ تنازعات، تصوف اور سیاسیات کے موضوعات پر دُنیا کے مختلف ملکوں میں تحقیقی، تربیتی، مکالماتی اور تزویراتی کاموں میں حصہ لیا ہے۔ وہ تقابلی اخلاقیات، تشدد کی لسانیات، حلِ تنازعات، بین المذاہب مکالمہ، تصوف، عدم تشدد، معاصر مسلم مغربی تعلقات جیسے موضوعات پر کئی مقالات، مضامین اور رپورٹس لکھ چکے ہیں۔

میری ان سے واشنگٹن امریکہ میں ملاقات ہوئی جب وہ سنٹر فار گلوبل پالیسی کے نائب صدر تھے۔ امریکہ سمیت مغربی دنیا میں مسلمانوں کے حوالے سے ان کا کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے زیر نظر مقالہ 'قیامِ امن اور بین المذاہب مکالمہ: اسلامی تناظر میں' (انگریزی نام: Islamic Peace Making: in Dialogue and Practice) ابوظہبی میں قائم ادارے The World Muslim Communities Council کے لیے تحریر کیا۔ ان کی خواہش پر پاکستان سمیت خطے کے لیے اس کا اُردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

یہ مقالہ کئی حوالوں سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں مسلم معاصر دنیا میں مکالمہ کے لیے جاری کوششوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے اور عملًا ان کی افادیت کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے کہ یہ کوششیں کس سطح کی ہیں اور ان کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ان تمام اقدامات کی توصیف کرتے ہیں کہ دنیا میں انہیں سراہا جانا چاہیے۔ تاہم وہ ساتھ میں اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ مزید کن جہات پر توجہ دینے کی ضرورت باقی ہے تاکہ مکالمہ کے عمل کو وسعت دی جا سکے اور تنازعات کا ٹھوس و حقیقی حل سامنے آئے۔ بالخصوص مسیحی دنیا کے ساتھ تعلقات میں پائی جانے والی

حدت کو کم کیا جا سکے۔ ان کے خیال میں اس کے لیے مذہبی طبقے کو ساتھ ملانے اور ان کی تربیت کی ضرورت بنیادی ہے۔ یہ مقالہ قیامِ امن کے لیے مکالمہ کی نظری و عملی دونوں جوانب پر تفصیلی روشنی ڈالتا ہے۔

اُمید ہے کہ پاکستان کے علماء، امن کار اور بین المذاہب قائدین اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

از

محمد اسرار مدنی

تعارف:

مسلم مفکرین کی ایک بڑی اکثریت، دینی رہنماء، سول سوسائٹی، این جی اوز مسلمان ممالک کی حکومتیں مذہب کے نام پر فعال ہونے والے تشدد کو ناپسند کرتے ہیں اور دین کے غلط استعمال پر سخت ناگواری و بے زاری کے جذبات رکھتے ہیں۔ ثبوت کے طور پہ دیکھا جاسکتا ہے کہ مسلمان رہنماء بلاتردد اور کھلے عام دہشت گردی اور ساری دنیا میں مذہب کے نام پر ہونے والے تشدد کی پرزور مذمت کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف جہاں مسلم اکثریتی ممالک میں انتہاپسندی کی اُٹھان ہوئی اور نئے تنازعات نے جنم لیا وہیں اس کے بالمقابل دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سی مسلم تنظیموں اور رہنماؤں کی جانب سے حیران کن سطح پر مؤثر مکالمے کو فروغ دینے کیے لیے کوششیں بروئے کار لائی گئیں، جن کا مقصد باہمی افہام و تفہیم کو آگے بڑھانا اور دنیا کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے عملی اقدامات کو ممکن بنانا تھا۔ کئی جگہوں پر اس نوع کی کوششیں بھی کی جاری ہیں کہ مسلم نوجوانوں کو اسلام کی حقیقی رواداری کی تعلیمات دینے کے ساتھ انہیں امن و تکثیریت پسندی جیسی اقدار سے رُوشناس کرایا جارہاہے۔ بلکہ مسلم اکثریتی ممالک میں حکومتیں اور بعض ادارے انتہاپسندوں کی تعلیمِ نو، تبدیلی فکر اور اور مرکزی دھارے میں انضمام کے لیے بھی جدوجہد کررہے ہیں تاکہ ان عناصر کو ان کے غلط عقائد کے بارے میں آگہی ہو اور اپنے اندر کی بے چینی کے اظہار کے لیے وہ غیر متشدد راستوں کا انتخاب کریں۔

ایک طویل عرصے تک مسلم مذہبی قائدین اور علماء لوگوں کو اسلام میں امن کے ارفع مقاصد اور اس کی اہمیت کے بارے میں درس دیتے رہے ہیں، اس کے لیے وہ قرآن و حدیث اور اقوال و آثار سے حوالے دیتے ہیں، تاکہ لوگوں میں یہ چیز ذہن نشین ہوسکے کہ امن کا قیام ایمانی تقاضا ہے۔ مسلم عالمی برادریوں میں تشدد کے مظاہر کی اٹھان کے ساتھ ہی ہم نے ایسی اشاعتوں، پوڈکاسٹس، سوشل میڈیا مہمات اور تنظیموں میں بھی اضافہ دیکھا جنھوں نے خود کو امن کاری کے لیے وقف کردیا۔

بین الاقوامی سطح پر اسلامی برادری میں تکثیریت پسندی کو فروغ دینے کے لیے مسلم مذہبی رہنما (ائمہ کرام) اور علماء کو اپنے کردار کی اہمیت کا ادراک ہے۔ علماء، محققین اور ائمہ عدم تشدد کی فکر، رواداری اور تکثیریت پسندی کے لیے ماحول کو سازگار بنانے کے لیے انتھک سعی کر رہے ہیں جسے تسلیم کیا جانا چاہیے اور ان کی تشہیر کی جانی چاہیے۔

مکالمہ کیوں ضروری ہے؟

دنیا بھر میں کئی ایسی نمایاں مسلم عقائد کی حامل مذہبی تنظیمیں ہیں جو اسلامی فکر کے اندر رہتے ہوئے شدت پسندی کا مقابلہ کرنے کے لیے متحرک ہیں، ایسی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ علماء کی طرف سے مکالماتی کوششیں قیامِ امن کے اصول کے تحت اور اسلامی روایت کے اندر رہتے ہوئے ہونی چاہئیں۔ تاریخی طور پہ فقہاء کے مطابق مقاصد شرعیہ میں یہ امور شامل ہیں: جان کا تحفظ، دین کا تحفظ، مال کا تحفظ، حقوق کا تحفظ اور عقل کا تحفظ۔ یہ اسلام کے بنیادی اہداف ہیں۔ علماء دینی روایت کے ان اصولوں کے تحت نوجوانوں کو تعلیم دیتے ہیں تاکہ انہیں ان کے بارے علم ہو اور وہ ان بنیادی اقدار کی روشنی میں زندگی گزاریں۔

بین المذاہب مکالمے کے لیے کام کرنے والے اداروں کے فروغ نے ایک ایسی فضا کو ہموار کرنے میں مدد دی ہے جس میں مختلف ادیان کے مابین ثقافتی، مذہبی، سماجی اور تاریخی سطح پر قربت کے لیے تحرک کو ترجیح حاصل ہوئی ہے اور دوسروں کو قبول کرنے کی صلاحیت پروان چڑھی ہے۔ اس نوع کے اداروں میں چند مشہور نام یہ ہیں: ریاض کا 'کنگ عبدالعزیز سینٹر برائے قومی مکالمہ'، عمان کا 'رائل انسٹی ٹیوٹ برائے بین المذاہب مطالعات'، اور 'اہل البیت انسٹی ٹیوٹ برائے فکرِ اسلامی'، ابوظبی کی 'مجلس عالمی برائے عالمی برادری'، دبئی کا 'کلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'، انڈونیشیا کا 'عبدالرحمان وحید سنٹر برائے بین المذاہب مکالمہ وامن'۔ اس طرح کے مکالماتی تعاملات

وکوششوں نے اس مذہبی قیادت کے سامنے لطیف اور پے درپے واقع ہونے والی تبدیلیوں کو واضح کیا ہے، جو دیگر مذاہب وثقافتوں کے متعلق نئی تفہیم کا تجربہ کر رہے ہیں۔

مکالمہ کی اقسام:

مکالمہ کی تمام انواع واقسام چاہے وہ بین المذاہب ہوں یا بین المسالک، انہیں دنیا میں تیزی کے ساتھ ایک ایسے وسیلے کے طور پہ دیکھا جارہا ہے جو سیکھنے سمجھنے کے لیے بہترین معاون ہیں۔ کیونکہ یہ مختلف نظریات کے لوگوں کو ایک ایسا محفوظ ماحول فراہم کرتے ہیں جہاں پہ وہ ایک دوسرے کو سن سکتے ہیں اور اپنی بات پہنچا سکتے ہیں۔ مکالمہ ایک منظم عمل ہوتا ہے، ایک ایسے تربیت یافتہ سہولت کار کی وساطت سے جو باہمی چیت کو واضح اہداف اور سیکھنے کے مقاصد کے ساتھ آگے بڑھاتا ہے اور اس عمل کی افادیت کا درست اندازہ لگاتا ہے۔ بین الذاہب مکالموں کو ایسے منظم بات چیت کے عمل کی صورت سامنے آنا چاہیے جن کے ذریعے سے گروہی تناؤ کے اسباب کا جائزہ لیا جاسکے، درست طور پہ ان گروہوں کے روایتی تصورات کی تفہیم ممکن ہو، باہمی سطح پہ ایک دوسرے کے لیے قبولیت کا جذبہ پیدا ہو اور ان میں قربت کا حقیقی وسیلہ بنے، تاکہ لوگوں کے مابین جو بات چیت کا خلا ہے وہ ختم ہو اور گونہ ایک ربط پیدا ہو۔

مکالمے کا اصل مقصد:

یہ مکالمے اس لیے منعقد نہیں کیے جاتے کہ ان کا مقصد محض بحث ومباحثہ ہے، یا یا یہ طے کرنا کہ کس گروہ کا نقطہ نظر زیادہ مستند ہے، اور نہ ہی ان میں کسی ایک عقیدے یا روایت کو کو دوسروں سے برتر قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ مؤثر مکالمے کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ شرکاء کو زیادہ گہرائی میں جھانکنے پر ابھارتا ہے، لوگوں کے اندر زیادہ دیانت دارانہ طریقے سے تفہیم کی صلاحیت کو جگاتا ہے، نہ صرف دوسروں

کے عقائد و تجربات کے بارے میں بلکہ اپنے عقائد و نظریات اور مفروضات کے حوالے سے بھی زیادہ حقیقت پسند اور جانچنے والا بناتا ہے۔ معمول کی رکاوٹوں کو پار کرنے اور پیچیدگیوں کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان موضوعات کو بھی زیرِ بحث لایا جائے جو حساس نوعیت کے خیال کیے جاتے ہیں۔ بد قسمتی سے مذہب کا استعمال کشیدگی کو ہوا دینے، تشدد کو مجاز بنانے اور تقسیم کو بڑھاوا دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے امن کاری کا ہدف اس بات کا متقاضی ہے کہ دین کے نام پر جنم لینے والی ان تباہ کن حرکیات و مظاہر کو تبدیل کیا جائے اور انہیں مذہبی حدود کے اندر رہتے ہوئے اسی زبان میں پرامن بقائے باہمی کا پیغام دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب علماء اپنے سامنے والے مخالف دینی گروہ کے ساتھ مکالمہ کریں تو مذہبی تنازعات پر مذہبی فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے مذہبی دلائل کو استعمال میں لاتے ہوئے کشیدگی کو ختم کریں اور اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے تناظر میں پرامن بقائے باہمی کو فروغ دیں۔

بین المذاہب مکالمہ اور 'کامن لفظ':

موجودہ دور میں مسلم بین المذاہب مکالمے کی ایک نمایاں واہم مثال Common Word (مشترک بات[1]) دستاویز ہے جسے مسلم ماہرینِ الٰہیات نے لکھا ہے، اس میں مسلمان اور مسیحی مذہبی رہنماؤں اور ان کے متبعین کو ایک وسیع مکالمے کے انعقاد کی دعوت کی گئی ہے تاکہ ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہوں۔ کامن ورڈ دستاویز عمان کے ادارے 'اہل البیت انسٹی ٹیوٹ برائے فکرِ اسلامی' کی سربراہی میں تیار اور شائع کی گئی ہے۔ عام طور پہ ایسا ہوا ہے کہ

[1] یہ سورت آل عمران کی آیت ''تعالوا إلى كلمة سواء'' سے مستعار ہے، جس میں اہل کتاب کو مشترکات کی بنیاد پر مکالمہ کی دعوت دی گئی۔ (مترجم)

جب مسلم مسیحی مکالمے کے مستقبل کی بات زیرِ بحث آئی تو اس کا ذکر سرسری اور محدود دائرے میں ہوتا آیا ہے جس میں کسی قابلِ عمل منصوبے کے لیے واضح ایجنڈا یا وژن نہیں تھا۔ تاہم کامن ورڈ مصنفین نے اس خلا کو پر کرنے کے لیے مکالمے کو ایک مشترک دینی میراث واقدار پر استوار کرنے کی کوشش کی، اور وہ دو اقدار تھیں: خدا سے محبت، اور ہمسائے سے محبت واچھا سلوک۔ یہ دو ستون ایسے ہیں جو دونوں مذاہب کی روایت میں اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ اقدام اتنا اہمیت کا حامل ہے کہ ایک عالم نے تو اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلم مسیحی تعلقات کے لیے یہ موقع ''ویٹیکن II''[2] کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر حکمتِ عملی، باریک بینی اور توجہ کے ساتھ مسلم مسیحی عالمی برادریوں کے تناظر میں ویٹیکن II کی مکالماتی روح سے استفادہ کرنا چاہیے۔

کامن ورڈ پر خدشات:

کامن ورڈ کی اشاعت کے ابتدائی سالوں[3] میں بہت سے نقادوں نے اس پر اعتراضات اٹھائے اور خدشات کا اظہار کیا کہ اسے آگے نہیں بڑھایا جاسکتا، کیونکہ اس میں الٰہیات سے جڑے کئی ایسے مسائل تھے جو پیچیدہ اور غیر حل شدہ تھے۔ بالخصوص مغربی دنیا میں بعض مسیحیوں کے اس دستاویز کی طرف میلان کی وجہ سے کئی مسیحی فرقوں کا آپس میں شدید اختلاف سامنے آیا۔

جبکہ کچھ مسیحی علماء اور پادری ایسے تھے جن کا خیال تھا کہ کامن ورڈ دستاویز نے مکالمہ کے جو اصول

---

[2] ''ویٹیکن II'' یا ''ویٹیکن کونسل دوم'' ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء کے درمیان ہونے والی مشاورتی نشستوں کو کہا جاتا ہے جن میں مسیحی مسالک کے مابین قربت، مسیحیت کے جدید دنیا کے ساتھ روابط اور دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات کے بارے میں غور وخوض کیا گیا اور ایک دستاویز تیار کی گئی جو مسیحی دنیا میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ (مترجم)

[3] اس دستاویز کی اشاعت ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۷ء میں ہوئی۔ (مترجم)

وضوابط مرتب کیے ہیں وہ نہایت محدود قسم کے ہیں اور اس حوالے سے مسیحی طبقے سے مشاورت نہیں کی گئی۔ تاہم زیادہ تر مسیحی رہنماؤں کا ردعمل یہ تھا کہ یہ ایک بہترین اقدام ودعوت نامہ ہے جس کے توسط سے بالآخر مسلم علماء کے ساتھ ربط کی ایک راہ پیدا ہوئی۔ کامن ورڈ دستاویز کے ساتھ جڑے مسلم علماء وماہرین الٰہیات کا مقصد یہ تھا کہ مسیحی دنیا کے ساتھ مکالمے کی عالمی ثقافت کو فروغ دیا جائے، بلاشبہ یہ ایک ایسا قدم تھا جس کے ذریعے سے دونوں برادریوں کو ایک مشترک بھلائی، باہمی مفاد اور ایک ایسے مشترک ورثے کی جانب دعوت دینا تھا جس کی اساس محبتِ خدا اور ہمسائے سے اچھا سلوک ہے۔ مشترک بھلائی کا یہ منصوبہ صرف الہیاتی مباحث تک محدود نہیں ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کے بارے میں تاریخی نظریات کو دہرانا مقصود ہے بلکہ اس کی اساس امن کاری کے ہدف کو حاصل کرنا اور آگے بڑھنا ہے۔

گزشتہ ایک دہائی کے دوران کامن ورڈ کونسل کی طرف سے مکالمے کے لیے ہونے والی کوششوں وتجربات سے کئی اسباق حاصل ہوئے ہیں۔ کسی بھی نوعیت کے مکالمے یا اس نوع کی سعی میں کونسل کے تجربات بلاشبہ امن کاری کی اہمیت کو واضح کریں گے۔ جب علماء اور مسیحی پادریوں کی تمام تر توجہ نصوص، متون کی روایت وذرائع اور تاریخی تشریحات پر مرکوز تھی ،ایسے وقت میں کامن ورڈ مکالمے کی جانب پہلی سعی تھی۔ اس سے ایک سبق تو یہ ملا ہے کہ بہت طویل عرصے تک مسلم مسیحی طبقات نے ایک دوسرے کے لیے خیر سگالی ومحبت کے جذبات کے فروغ کی خاطر ذرائع ومنصوبوں کی تشخیص کے بارے بہت کوششیں کرتے رہے، کہ کیسے ایک دوسرے سے مکالمہ کیا جاسکے اور اس کے مقدمات کیا ہونے چاہیئں، لیکن عملی طور پہ مکالمہ ظہور پذیر نہیں ہوسکا جو کہ اصل چیز تھی۔

کامن ورڈ کے تجربے نے مسلم مسیحی شرکاء کو ابھارا کہ وہ وسائل ونصوص کے ضمن میں مل کر کام کریں اور مشترک راہوں کو تلاش کریں (یہ مکالمہ کی مخصوص شکل ہے) لیکن شرکاء اسے وسعت دے کر اس سے آگے حقیقی مکالمے کی مشق کی جانب نہیں بڑھا سکے۔

ماضی میں کامن ورڈ مکالمے کے تجربے کے ساتھ کئی اہم مسائل سامنے آئے کہ اس فورم پر کتنے کم لوگ ایسے ہوں گے جو بین المذاہب مکالمے بارے اپنی زندگی کے خوشگوار تجربات کو پیش کر سکیں گے اور یہ کہ کس حد تک وہ تجربات دینی روایت واصولوں کے خلاف یا ان کے حق میں ہوں گے۔ کامن ورڈ کے شرکاء کو اندازہ تھا کہ ان کے کندھوں پر متون اور ان کی تشریحات کا ایک خاصا بوجھ ہے اور وہ دوسروں سے محبت کے مکالماتی اصول کے متضاد بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم دوسروں سے محبت وحسن سلوک کی اہمیت کسی طور کم نہیں ہونی چاہیے۔ مسلم مسیحی دنیا کے مشترک خوشگوار تجربات کی بنیاد پر مکالمہ کے عمل کو آگے بڑھانے کی ضرورت تھی۔ کامن ورڈ کا یہ تجربہ ایک زبردست یاددہانی ہے کہ ہر روایت ودین بشمول اسلام ومسیحیت کے اندر ایسی راہیں موجود ہیں جن میں محبتِ خدا کی اساس پر ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں امن کے اعلی مقاصد:

جب کامن ورڈ کانفرنس میں لوگوں سے سوال کیا گیا کہ اسلام میں امن کے اعلی مقاصد کیا ہیں تو بلاشبہ ان کے جوابات میں قرآن کریم کے اصول ''کلمة سواء'' اور اس کی تشریحات کا حوالہ سب سے نمایاں تھا۔ اس طرح کے تجربات سے ہم خود کو اپنی زندگیوں میں جڑے لوگوں کے بارے میں زیادہ حساس، ہمدردی رکھنے والے اور دیکھ بھال کرنے والے بنا سکتے ہیں۔ اس مکالمے نے سکھایا کہ نصوص میں کیا تعلیمات ہیں اور ہم انہیں اپنی زندگی میں کیسے قابل عمل بنا سکتے ہیں۔ اس مشق کا خلاصہ قرآن کریم کی آیت میں ملتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ[4]

---

[4] البقرہ: ۱۵۲

(سو تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا، میرا شکرادا کرتے رہو اور ناشکری مت کرو۔)

بین المذاہب مکالمے سے متعلقہ چیلنج:

اگر مکالمے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اپنی ذات میں تبدیلی لاتے ہوئے دوسروں سے سیکھا جائے تو اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری چیز یہ ہے کہ افراد اس حد تک باختیار ہوں کہ خود کو ایسے طریقوں کے ساتھ چیلنج کر سکیں جو انہیں حقیقت میں فعال امن ساز بنادے۔ اور جیسا کہ امن سازی کے لیے کام کرنے والے تربیتی پراگرامز میں ہوتا ہے کہ ایسی صلاحیتوں کے استعمال پہ انحصار کیا جاتا ہے جن کے ذریعے شرکاء کے تاثرات کو تبدیل کیا جاسکے کہ کیسے حالات کے مطابق چیزیں تغیر پذیر ہوتی ہیں اور یہ کہ ایک بڑے معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے اپنی ذات کی تفہیم کیسے کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ایسے مکالموں کا انعقاد کہ جن کے توسط سے امن سازی کی نوعیت، اس کے لیے حکمت عملی، ثالثی، مفاہمت اور عدم تشدد کے بارے میں خیالات کا اظہار ہو اور ان امور پہ سوچنے کے لیے صلاحیت پروان چڑھائی جائے۔ میں نے اپنی کتاب Crescent and Dove: Peace and Conflict Resolution in Islam[5] میں بھی لکھا ہے کہ اگر ہم اس قابل ہو جائیں کہ علماء کی امن سازی کی صلاحیت پروان چڑھا سکیں تو حقیقی مکالمے کی جانب پیش رفت آسان ہو جائے گی۔ امن سازی کے حقیقی مکالمے کو ممکن بنانے کے لیے جن مہارتوں کو اجاگر کرنے اور جن اقدار سے متعلق تفہیم پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں: مذہبی اخلاقیات، الٰہیات، معاف کرنے کے اصول اور اس پر عمل، ہمدردی، انصاف، محبت، وقار، سوچ بچار، صبر، یکجہتی، خدمت، رواداری اور مفاہمت۔

[5] یہ کتاب اُردو میں ''ہلال اور فاختہ: اسلام میں امن اور حلِ تنازعات'' کے نام سے ایمل پبلیکیشنز، اسلام آباد سے شائع ہوئی ہے۔ (مترجم)

اگر علماء اور ائمہ کرام یکساں طور پہ امن سازی کی مہارتیں سیکھنے کے قابل ہو جائیں اور اپنے اندر یہ صلاحیتیں پیدا کر لیں تو اس سے وہ اپنی ذات کی تنقیح و تہذیب کے ساتھ اپنے آپ کو اور سماج کو تبدیل کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لیں گے۔ قطع نظر حالات کی نوعیت کے وہ بطور امن کار ابھر کر سامنے آ سکتے ہیں جو کہ بہت بڑا کردار ہے۔ امن سازی کی کوششیں دراصل فرد کے شعوری تصورات کو اپنا ہدف بناتی ہیں کہ وہ کن طریقوں سے معاشرے کے اندر امن کے قیام کو یقینی بنا سکتا ہے۔

آیئے قرآن کریم کی ان آیات میں غور کریں، اللہ تعالیٰ نے سورت البقرہ میں فرمایا: "اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا، اس طرح وہ انکار کرنے والوں میں سے ہو گیا"[6]۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر یہ جواب دیا: "میں آدم سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا"[7]۔ تخلیق سے متعلق اسلامی روایت کی رُو سے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس اکڑ گیا اور کہا کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں جبکہ آدم مٹی سے بنا ہے جو مجھ سے کم حیثیت ہے۔

ان آیات کی وضاحت میں علماء ہمیشہ اس بات کو بیان کرتے آئے ہیں کہ اختلافات و تنازعات روزِ اول سے کائنات کا حصہ ہیں، انہیں معاشروں سے ختم نہیں کیا جا سکتا، البتہ انہیں زندگیوں سے کم کرنے کی کوشش ضرور کی جا سکتی ہے۔ ان تشریحات کو سنجیدگی کے ساتھ لینا چاہیے کیونکہ تشدد اور عدم برداشت کے مقابل جوابی بیانیوں کی تشکیل میں مکالمے کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔

---

[6] البقرہ: ۳۴

[7] الاعراف: ۱۲

علماء کا امن سازی اور مکالمے میں کردار:

جب علماء کرام امن سازی جیسے موضوعات پر مکالموں کا حصہ بنتے ہیں تو ان کے افادے اور اثرات کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ کس ماحول میں کن صلاحیتوں کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ تمام مکالمے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس میدان میں بہت باریکیاں ہوتی ہیں اور مکالمہ مخصوص اہداف کے حصول پر قائم ہوتا ہے۔

علماء اور ائمہ کرام کو سب سے پہلے معاشرے کے موجودہ مسائل سے آگہی ہونی ضروری ہے، وہ لوگوں سے ان کے خدشات و پریشانیوں کے بارے میں سوال کریں۔ انہیں علاقائی و مقامی مسائل کے بارے حساسیت کو سمجھتے ہوئے ان شعبوں میں اپنی صلاحیتوں اور مہارتوں کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسروں کے لیے حساسیت و ہمدردی اور اپنی صلاحیتوں کو بہتر کرنے کی تدبیر کے ساتھ وہ امن سازی کے وسیع میدان میں اپنا مفید کردار سامنے لا سکتے ہیں۔ ہر نوع کا مکالمہ چاہے وہ بین الثقافتی ہو، بین المذاہب ہو، سفارتی ہو یا تجارتی قسم کا، ان سب میں فریقین کی جانب سے طویل مدتی عزم اور سعی کی ضرورت ہوتی ہے۔

سماج میں مکالمے کے عمل کو مؤثر و کارآمد بنانے کے لیے تمام سٹیک ہولڈرز کو ہم آہنگ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ مذہبی ادارے، سول سوسائٹی، میڈیا، نوجوانوں کی تنظیمیں، تعلیمی ادارے، کاروباری شعبے اور حکومت، مکالمے کی کامیابی کے لیے ان تمام حلقوں کا ہم آہنگ ہونا اور امن کے لیے یکساں نظریہ کا حامل ہونا ضروری ہوتا ہے۔

بین المذاہب مکالمے کے لیے رسمی وغیر رسمی نصاب:

مکالمہ برائے امن وامان کے مؤثر و تعمیری ہونے اور اسے بہتر انداز میں عملی جامہ پہنانے کے لیے علماء، ائمہ کرام اور مذہبی اداروں کو پہلے مہارتی حوالوں سے تیار کرنا ہوگا کہ وہ بین المذاہب مکالمہ کے لیے رسمی اور غیر رسمی نصاب ترتیب دے سکیں۔ جیسا کہ ماہرین تعلیم نے نشاندہی کی ہے، تعلیمی تجربات تعلیم وتربیت سے متعلقہ تمام امور پہ مشتمل ہوتے ہیں جیسا کہ اساتذہ، ہم کلاس افراد، نصاب، کلب، سرگرمیاں، کھیل وغیرہ، بنیادی طور پہ یہ سب چیزیں رسمی تعلیم کا حصہ ہیں اور ان تمام پہلوؤں پر توجہ دینا ہوگی۔ جبکہ طلبہ غیر رسمی طور پہ بیک وقت سوشل میڈیا، گھر اور گھر سے باہر کے رول ماڈلز، میڈیا، کھلاڑیوں، رائے سازوں اور دانشوروں سے بھی سیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مکالمے کو فعال و مؤثر بنانے کے لیے ہر سطح پر امن کے لیے ہم آہنگی پیدا کرنا ہوگی۔

رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے امتزاج میں مکالمے کی بنیادی اقدار اور اصولوں کو متعارف کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دراصل اس ساری مشق کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ سیکھنے، آگے بڑھنے، خوشحال رہنے اور ایک فیاض ہمدرد شہری بننے کے لیے مکالمہ کے عمل کو ایک جوہری قدر کے طور پر سراہنا ضروری ہے۔ اور اس قدر کو اس طرح سنجیدگی کے ساتھ مسلسل تقویت دینی چاہیے کہ یہ مذہب، ثقافت، کاروبار اور عوامی مقامات، غرض ہر شعبے اور ہر جگہ رچ بس جائے۔

مؤثر مکالموں کو جاری رکھنے اور ان کی افادیت کو پرکھنے کے لیے ایسے غیر جانبدار پلیٹ فارمز کا ہونا ضروری ہے جہاں بات چیت کی جاسکے اور دیانت دارانہ آراء کو سراہا جاتا ہو۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ایسے مکالمے جن میں تنازعات اور روزمرہ کے حالات کو محور بنایا جاتا ہو ان کے انعقاد سے قبل ایک منہج، طریقہ کار اور دستور العمل مرتب کرلینا چاہیے۔ یہ ایسے مواد پر مشتمل ہونا چاہیے جو مکالمے کے عمل کو ایک ایسے پلیٹ فارم کے طور پہ پیش کرے جہاں تنازعات حل ہو سکتے ہوں، سیکھنے کی

صلاحیتیں پروان چڑھ سکتی ہوں اور باہمی اعتماد کی فضا قائم ہو سکتی ہو۔

امن سازی کا کوئی بھی ایسا مکالمہ پروگرام جس کے اندر علماء محور ہوں اس کی ساری توجہ اس پر ہونی چاہیے کہ ثقافتی رویوں میں خود تشخیصی اور تنقیدِ ذات کی صلاحیت کو پروان چڑھایا جائے اور یہ آگہی پیدا کی جائے کہ دوسرے افراد کے ساتھ میل جول و تعامل کیسے کرنا ہے۔اس کے لیے نصاب، مذہبی اداروں، مذہبی اخلاقیات اور دیگر ادیان سے متعلق مواد کے بارے یقینی بنانا ضروری ہے کہ ان سے بقائے باہمی، عدم تشدد، مفاہمت، مکالمہ، حلِ تنازعات اور باہمی احترام کی تعلیم و تربیت مل رہی ہے۔امن سازی کے میدان میں علماء کے اندر علم و ہنر کو پروان چڑھانے کے لیے پروگرام ترتیب دینا صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب اس منصوبے میں یہ یقینی بنایا گیا ہو کہ اس کے اندر مکالمہ کی اہمیت اور بین المذاہب مکالمہ اساسی قدر کے طور پر موجود ہوں گے۔

اسلام میں عدم تشدد اور امن سازی کے اُصول:

اسلام میں عدم تشدد اور امن سازی کے بنیادی اصولوں کے ذیل میں یہ تمام امور شامل ہیں جن کی پاسداری واجب ہے: حصولِ انصاف، نیکی کرنا، انسان کی آفاقیت اور وقار، زندگی کا تقدس، مساوات، امن کی جستجو (انفرادی، اجتماعی، طبقاتی، علاقائی اور بین الاقوامی) عقل و علم کے ذریعے امن کے قیام کی سعی، تخلیقی صلاحیت کا احترام، معاف کرنا، متناسب افعال و اعمال، ذمہ داری، صبر، باہمی تعاون اور یکجہتی، شمولیت، تنوع، تکثیریت پسندی اور رواداری۔ یہ تمام اصول اسلامی روایت اور ابراہیمی عقائد کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مکالمہ، بین المذاہب مکالمہ اور اسلامی امن سازی کی قدر کی درست تفہیم شہریوں کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ صحت مند اور معتدل تعلقات استوار کر سکیں، چاہے انسان کے ساتھ ہوں یا اللہ تعالی کے ساتھ۔ جب تنازعات سر اٹھانے لگیں اور یہ تعلقات خراب ہونے لگیں تو انصاف کی

بالادستی کا تقاضا ہے کہ انہیں دوبارہ بحال کیا جائے۔ اسلامی روایت میں مکالمے کو فروغ دینے، تنازعات کا سدباب کرنے اور ایک دوسرے سے سیکھنے کے حوالے سے روشن تاریخ موجود ہے۔ مکالمہ ایک یاددہانی ہے کہ کسی بھی قسم کی بدنظمی اور ہم آہنگی میں خلل کا وقوع، امن کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے۔

نظریاتی اور عملی سطح پہ مذہبی مکالمے کی ایک مثال نائجیریا کا 'مرکز برائے بین المذاہب ثالثی' ہے جس نے مکالماتی ورکشاپش کے ذریعے مسلم مسیحی تعلقات کو بہتر بنانے، تنازعات کی روک تھام اور ثالثی کے امور پہ خاص توجہ دی ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں نسلی تناؤ اور خوفناک تشدد کے ظہور کے بعد پادری جیمز ووئے اور امام محمد الشفا نے حلِ تنازعات کے لیے اس مرکز کی بنیاد رکھی تھی۔ مسلم مسیحی دینی روایات کی بنیاد پر یہ مرکز باہمی احترام و تعاون کے ساتھ قیامِ امن کے منصوبوں کو فروغ دیتا ہے۔

عالمی وبائی مرض سے سبق:

جیسا کہ حال ہی میں عالمی وبائی مرض کے دوران غور کرنے کے لیے یہ سبق ملا کہ ہم سب بطور انسان ایک خاندان ہیں جو زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ لہذا ایک خاندان ہونے کے ناطے جو کئی مذاہب، نسلوں، قبیلوں اور قوموں پر مشتمل ہے، اس کا باہمی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی تعاون یہ ہے کہ مستقبل میں بقائے باہمی کو یقینی بنانے کے لیے مکالمہ کو فروغ دیا جائے۔

اگر ہم پر امن معاشروں کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے دوسروں کو نظرانداز کرنے، انہیں پس پشت ڈالنے یا لڑائی کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ آیئے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں اور اس پر عمل بھی کہ ہماری روایات ہم سے کس چیز کا تقاضا کرتی ہیں، وہ ہے مکالمہ۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۔ [8]

(بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب جانتا ہے اور تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔)

[8] الحجرات:۱۸

Islamic Peace Making: in Dialogue and Practice

By: Dr. Qamar ul Huda

International Research Council for Religious Affairs (IRCRA)

Flat#1005, Floor#10, Khudadad Heights,
E-11, Main Margalla Road,
Islamabad - PAKISTAN